QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **03 Issue** No: **01 (2026)**

# رسائلِ نور میں عقیدۂ تقدیر کی تعبیر و تشریح: ایک علمی و فکری جائزہ

# The Interpretation and Explanation of the Doctrine of Predestination (*Qadar*) in the *Rasāʾil-i Nūr*: A Scholarly and Intellectual Review

1. **ڈاکٹر محمد رضوان محمود**: اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد کیمپس، پاکستان۔
2. **ڈاکٹر ضیاء احمد**: اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد کیمپس، پاکستان۔
3. **ڈاکٹر منیر احمد** : اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان۔

**Abstract**

This article offers an analytical study of the doctrine of divine decree and predestination (*al-qaḍāʾ wa-l-qadar*) as expounded by Badīʿ al-Zamān Saʿīd Nūrsī in the *Risale-i Nur*. It begins with a lexical and technical clarification of *qaḍāʾ* and *qadar*. It then grounds the doctrine in its four stages (*marātib*), namely divine knowledge, inscription, will, and creation, each substantiated by Qurʾanic evidence. Against the historical backdrop of the early polarization between the Qadariyya, the Jabriyya, and the Muʿtazila, and the mediating position of the Ashʿarī and Māturīdī schools, the study examines Nūrsī's methodology. He treats *qadar* not as an abstract *kalām* controversy but as a source of spiritual reassurance and ethical responsibility. Four themes are analysed. The first is the compatibility of *qadar* with partial human volition (*al-juzʾ al-ikhtiyārī*), which, Nūrsī argues, guards the believer against arrogance while preserving moral accountability. The second is the relationship between divine knowledge and the object known (*maʿlūm*), which shows that eternal knowledge is descriptive rather than coercive. The third is the problem of the creation of good and evil, resolved by distinguishing divine creation from human acquisition (*kasb*). The fourth is the consolation of *qadar* in adversity, where trials are read as purposeful and as conducive to patience, gratitude, and righteous action. The study contends that Nūrsī's approach, which combines Qurʾanic exegesis, rational argumentation, and illustrative analogies, yields a coherent mediating position. This position refutes both determinism and Muʿtazilī voluntarism, answers naturalistic reductionism, and renders the doctrine existentially meaningful.

Keywords: *al-qaḍāʾ wa-l-qadar*; predestination; human agency (*kasb*); Badīʿ al-Zamān Saʿīd Nūrsī; *Risale-i Nur*; *ʿilm al-kalām*; theodicy; Ashʿarī and Māturīdī theology

## تعارف

مسئلہ قضاء و قدر ایمان کا لازمی جزو ہے۔ قضاء و قدر قرآن و سنت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾[1]

"بیشک ہم نے ہر چیز ایک اندازہ سے پیدا فرمائی۔"

[1] القمر:49

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

نبی کریم ﷺ نے حدیثِ جبرائیل میں ایمان بالقدر کو ارکانِ اسلام میں شمار فرمایا ہے:

**«قَالَ:أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ. قَالَ:أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ»**[2]

"یعنی (حضرت جبرائیل علیہ السلام) نے دریافت کیا: ایمان کے بارے میں مجھے بتائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، اور یوم آخرت پر ایمان لاؤ اور تم تقدیر کے اچھا اور برا ہونے پر ایمان لاؤ۔"

دورِ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے آخر میں تقدیر کے متعلق انسانی ذہن میں مختلف اوہام و شکوک ابھرے۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود علیہم الرضوان نے تقدیر پر اعتراض کرنے والوں کے سوالات کے جوابات دیے۔ لیکن اس معاملے میں بحث کا دائرہ وسیع ہوا اور انسان کے ذہن میں مسلسل یہ سوالات گردش کرنے لگے کہ:

* کیا میں اس کتابِ زندگی کا مصنّف ہوں یا محض ایک کردار جس کا انجام پہلے سے لکھا جا چکا ہے؟
* کیا انسان مجبورِ محض ہے یا اسے عمل کا اختیار حاصل ہے؟
* کیا یہ دنیا فقط ایک خالق کے حکم کے تحت چل رہی ہے اور اس کے افعال میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی؟
* یا انسان مکمل طور پر مختار ہے اور اس کے افعال میں خالق کی منشاء کا کوئی دخل نہیں؟[3]

ان اشکالات کے نتیجہ میں دو فکری رویئے سامنے آئے۔ جنھوں نے اللہ عزوجل کے ارادہ و اختیار کے حوالے سے اعتدال کے قطع نظر افراط و تفریط کو اختیار کیا۔ سب سے پہلے معبد بن خالد الجہنی (699ء) نے اس معاملہ میں اس بات کا اعتراف کیا کہ: "**لا قدر والامر انف**"[4] یعنی تقدیر کچھ نہیں ہے اور معاملہ اللہ کے پیشگی علم کے بغیر اتفاقاً ہوتا ہے۔ اس کے بعد جہم بن صفوان (745-696ء) اس انتہا پر گیا کہ: "**الانسان مجبر فی کل احوالہ وشؤونہ و انہ اسیر القضاء والقدر**"[5] یعنی انسان اپنے تمام حالات و معاملات میں قضاء و قدر کا قیدی اور مجبور ہے۔

اگرچہ کچھ عرصہ میں ان مذاہب کی شدت کم ہوگئی تھی لیکن معتزلہ نے جبر و قدر کی مشکلات سے بچنے اور اپنے عدلِ الٰہی کے عقیدہ کے اثبات کے لیے اس بات کا اعتراف کیا کہ: "**الخیرمن اللہ والشر من غیرہ تعالیٰ**"[6] یعنی خیر کا خالق اللہ عزوجل ہے جبکہ شر کا خالق اللہ عزوجل نہیں ہے۔ جبکہ ان دونوں میں اعتدال کا راستہ اشاعریہ اور ماتریدیہ نے اختیار کیا اور تقدیر میں "**االامر بین الامرین**" کا عقیدہ اپنایا۔ یعنی انسان نہ تو بلکل مجبور ہے اور نہ ہی بلکل خود مختار، بلکہ خدا نے اسے اختیار دیا ہے جس کے استعمال میں وہ جوابدہ ہے۔[7] جیسا کہ امام ابو حنیفہ نے امام

[2] ولی الدین تبریزی، مشکوۃ المصابیح، رقم الحدیث: 2

[3] عبد الکریم الخطیب، القضاء والقدر، دار الفکر العربی، القاہرہ، 1978ء، ص 9

[4] محمد سعید رمضان البوطی، الانسان مسیر ام مخیر؟، دار الفکر، لبنان، 1997، ج 2، ص 15

[5] محمد سعید رمضان البوطی، الانسان مسیر ام مخیر؟، ص 15

[6] فضل الرسول البدایونی علیہ الرحمہ، المعتقد المنتقد مع حاشیۃ المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد، دار اھل السنۃ، کراچی، 2022ء، ص 122

[7] محمد عمر حیات الحسینی، انسان اور مسئلہ تقدیر، خاور پرنٹر، آزاد کشمیر، 1994، ص 20-19

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **03 Issue** No: **01 (2026)**

جعفر صادق بن محمد باقر رضی اللہ عنہ سے مسئلہ قضاء وقدر کی حقیقت دریافت کی تو آپ نے فرمایا: "معاملہ (جبر واختیار کے) بین بین ہے۔نہ بلکل جبر ہے نہ تفویض (بلکل مختار) اور نہ اکراہ (مجبور کرنا) ہے نہ تسلیط (کسی حکم کو مسلط کر دینا)"۔[8]

قضاء وقدر ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔اس کا صحیح فہم نہ صرف عقیدے کی درستگی کے لیے ضروری ہے بلکہ انسان کے ارادہ، فعل اور ذمہ داری کے متعلق سوالات کا حل بھی اسی سے مشروط ہے۔اس عقیدہ کا تعلق انسان کے اعمال وافعال سے ہے اسلئے یہ عقیدہ انسان کی پوری زندگی، سوچ اور کردار پر اثرانداز ہوتا ہے۔چونکہ انسان دنیا میں امتحان کے لیے آیا ہے جس کا دارومدار اس کے اعمال صالحہ وباطلہ پر ہے اور ان اعمال کی درستگی اور ان کی مقصدیت کی حقیقی پہچان تقدیر کے درست مفہوم کی وضاحت سے ممکن ہے اور اسی پر دنیا و آخرت کے فوائد کا انحصار ہے۔قضاء قدر دینِ اسلام کے دو بنیادی مفہوم ہیں جو اللہ عزوجل کے علم وارادہ سے متعلق ہیں۔متکلمین نے قضاء وقدر کے مفہوم میں فرق کیا ہے۔

## قضاء: لغوی معنی

قضاء کا مجرد مادہ ق-ض-ی ہے۔جس کے معنی فیصلہ کرنا، حکم دینا، اور کسی کام کو مکمل اور نافذ کرنا یا ختم کرنا ہے۔عربی زبان میں اس کے دیگر معانی میں کسی چیز کو واجب کرنا، موت / اجل، اور حکم الٰہی (تقدیر) بھی شامل ہیں۔یہ لفظ کسی معاملے کو محکم (مضبوط) بنانے اور انجام تک پہنچانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔[9] بشری کا قول ہے: قضی الحاکم بکذا[10] یعنی بادشاہ نے فلاں کام کا فیصلہ کیا / حکم دیا۔

## اصطلاحی معنی

قضاء سے مراد وہ حکمِ الٰہی جو مخلوقات کے حق میں واقع ہوا ہے، حکمِ الٰہی دو طرح کے ہیں: قولی، جیسے ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ[11]﴾

"اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو"۔

فعلی، جیسے ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَ قَضَیْنَاۤ اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ﴾[12]

"اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں وحی بھیجی"۔[13]

یعنی اللہ عزوجل نے ان کو ارشاد فرمایا کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں جو کہ قولی حکم ہے اور بنی اسرائیل کو کتاب میں وحی کی صورت لکھ کر دیا گیا جو کہ فعلی حکم ہے۔

علامہ جرجانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

---

[8] احمد بن حسن البسنوی، اشارات المرام من عبارات الامام ابی حنیفۃ النعمان، ص87

[9] محمد علی تھانوی، کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، ج2، ص1323

[10] ابی القاسم الحسین بن محمد راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ج1، ص525

[11] بنی اسرائیل: 23

[12] بنی اسرائیل: 4

[13] بنی اسرائیل: 4

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

**«عبارة عن الحکم الالھی فی اعیان الموجودات علی ما ھی علیہ من الاحوال الجاریۃ فی الازل الی الابد»[14]**

"یہ موجودات کی ذاتی حقیقتوں میں اللہ تعالیٰ کے اس ازلی حکم وفیصلے کانام ہے جو ان کے احوال وکیفیات پر ازل سے ابد تک جاری وساری ہے۔"

یعنی قضاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے بارے میں ازل ہی میں جان لیا اور فیصلہ فرمادیا کہ وہ کس حال میں رہے گی اور یہ علم و حکم ابد تک نافذ ہے۔اور اس سے مراد یہ عقیدہ رکھنا ہے انسان کے تمام اعمال اور ان پر مرتب ہونے والے اچھے اور برے نتائج اور کائناتی تغیرات و حوادث سب کے سب ایک مرتب ازلی نظام کے مطابق وجود میں آرہے ہیں۔

## قدر:لغوی معنی

قدر مصدر ہے جس کا معنی اندازہ لگانا، طاقت وقدرت رکھنا، تدبیر کرنا، کسی شئے کا وقت یا جگہ مقرر کرنا، کسی معاملہ کو کسی کے لیے مقرر کرنا ہے۔[15] امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: "التقدیر تبیین کمیۃ الشیئ"[16] یعنی کسی شئے کی مقدار، حجم یا حد کا مقرر کرنا۔اس سے مراد چیزوں کو حکمت کے ساتھ مخصوص مقدار اور مخصوص صورت میں رکھنا۔

## قدر:اصطلاحی معنی

قدر سے مراد اللہ عزوجل کا ازلی تعین اور علمِ محیط ہے جس کے ذریعے اس نے ہر مخلوق کی مقدار، صفات، افعال، اوقات اور احوال کو کائنات کی پیدائش سے پہلے مقرر فرمایا، اور یہ سب لوحِ محفوظ میں درج فرمادیا۔علامہ ابو منصور علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

**«وتقدیر اللہ الخلق تیسیرہ کلامنھم لماعلم انھم صائرون الیہ مون السعادۃ والشقاء، وذلک انہ علم منھم قبل خلقہ ایاھم،فکتب علمہ الازلی السابق فیھم وقدرہ تقدیرا»[17]**

"یعنی اللہ کا مخلوق کے لیے (تقدیر) کا فیصلہ کرنا'ان میں سے ہر ایک کے لیے اس چیز کو آسان کر دینا ہے جس کے بارے میں (اللہ کو) علم ہے کہ وہ اس (کام کو انجام دے کر) اس سعادت وشقاوت کی طرف پہنچنے والے ہیں۔اور یہ (تقدیر کا لکھا جانا) اس وجہ سے ہے کہ اللہ ان کی تخلیق سے پہلے ہی ان کے (اعمال کے) بارے میں جانتا تھا، پس اللہ عزوجل نے ان کے بارے میں اپنا وہ قدیم وازلی علم لکھ دیا اور ان کے لیے ایک خاص تقدیر مقرر کر دی۔"

تقدیر اللہ عزوجل کا راز ہے اور ہر مخلوق کو اس کی اس حد کے ساتھ معین کرنا ہے جس کے ساتھ وہ وجود پاتی ہے یعنی اس کے افعال کے حسن وقبح، نفع ونقصان، اور زمان ومکان کو مقرر کرنا۔

---

[14] علی بن محمد بن علی الجرجانی، کتاب التعریفات، ص225

[15] احمد حسن زیات، حامد عبد القادر، محمد علی النجار، المعجم الوسیط (مترجم)، ابن سرور محمد اویس، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص895

[16] ابی القاسم الحسین بن محمد راغب اصفہانی، لمفردات فی غریب القرآن، ص511

[17] ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن علی بن منظور الافریقی، لسان العرب، ج5، ص3546

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **03 Issue** No: **01 (2026)**

## قرآن میں قضاء وقدر کا بیان

اسلامی عقائد میں قضاء وقدر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔اور انسان کی عملی زندگی میں کامیابی کا انحصار اسی عقیدۂ تقدیر پر ہے۔یہ عقیدہ اللہ عزوجل کی صفتِ علم، قدرت، ارادہ اور خالقیت کا مظہر ہے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ عزوجل کے علمِ ازلی، اس کی مشیت و ارادے اور انسانی اختیار و ذمہ داری کے پہلو سے اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ عزوجل کے علم اور اس کے طے کردہ قوانین کا تابع ہے۔ تقدیر پر ایمانِ کامل کے لیے اولاً اللہ عزوجل کی چار صفات پر ایمان لانا ضروری ہے جو تقدیر کی طرف راہ نمائی کرنے والی ہیں۔امام ابن القیم نے ان صفاتِ الٰہیہ کو تقدیر کے مراتب سے تعبیر کیا ہے:

**«مراتب القضاء و القدر التی من لم یومن بھا لم یومن بالقضاء والقدر،وھی اربعۃ مراتب:علم الرب سبحانہ بالاشیاء قبل کونہ،کتابۃ لھا قبل کونھا،مشیتہ لھا،خلقہ لھا».[18]**

"جو قضاء وقدر کے مراتب پر ایمان نہیں لاتا وہ قضاء وقدر پر ایمان نہیں لاتا، یہ چار مراتب ہیں:(۱) علمِ الٰہی (۲) کتابت (۳) مشیت (۴) خلق"۔

ان میں سے ہر مرتبے کی تائید قرآن کریم کی واضح اور قطعی آیات سے ہوتی ہے:

### ۱۔ علمِ الٰہی

اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا ازلی علم ہے۔ہر واقعہ، ہر عمل، اور ہر نتیجہ اس کے علم میں پہلے سے موجود ہے۔

**﴿وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَؕ-وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِؕ-وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ﴾[19]**

"اور غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ان کو صرف وہی جانتا ہے اور جو کچھ خشکی اور تری میں ہے وہ سب جانتا ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا اور نہ ہی زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے مگر وہ ان سب کو جانتا ہے۔اور کوئی تر چیز نہیں اور نہ ہی خشک چیز مگر وہ ایک روشن کتاب میں ہے"۔

غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں، ابتداءً بغیر بتائے چھپی ہوئی اشیاء کی حقیقت دوسرے پر نہیں کھلتی۔اللہ عزوجل جس طرح مغیبات (چھپے ہوئے امور) کو جانتا ہے اسی طرح ہر اس چیز کو جانتا ہے کو خشکی اور تری میں ہے۔ حیوانات، نباتات وجمادات کی تمام حرکات واحوال درخت سے گرنے والے پتے کے بارے میں جانتا ہے۔اور مکلّفین کے ہر فعل سے وہ واقف ہے۔زمین کے اندھیرے میں بوئے ہوئے بیج اور زمین کے اندر رہنے والے کیڑوں کی حرکات کو بھی جانتا ہے اور اللہ عزوجل نے یہ تمام احوالِ دنیا ان کے وقوع سے قبل اپنے علمِ ازلی سے جان کر کتابِ مبین یعنی لوحِ محفوظ میں لکھ دیے تھے جسے "تقدیر" کہا جاتا ہے۔[20]

---

[18] شمس الدین محمد بن ابی بکر بن قیم الجوزی، شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ التعلیل، المکتبۃ التوفیقیہ، بیروت، سن، ص70

[19] الانعام:59

[20] غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، فرید بک سٹال، لاہور، 2008ء، ج3، ص501

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **03 Issue** No: **01 (2026)**

**﴿وَ مَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَ لَا فِى السَّمَآءِ وَ لَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْبَرَ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾**[21]

"اور زمین و آسمان میں کوئی ذرہ برابر چیز تیرے رب سے غائب نہیں اور ذرے سے چھوٹی اور بڑی کوئی چیز ایسی نہیں جو ایک روشن کتاب میں نہ ہو"۔

**﴿وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾**[22]

"اور اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے"۔

علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اللہ تعالی بندوں کے تمام اعمال 'خواہ وہ چھوٹا کام کریں یا بڑا کام کریں، یا وہ کسی کام کا ارادہ کریں اور اس کام کو نہ کریں، وہ ان کے دلوں کے احوال اور ظاہری افعال سب کو ہر حال اور ہر وقت میں جاننے والا ہے"۔[23] اللہ کا علم ازلی اور ابدی ہے، حوادث کے آگے پیچھے ہونے سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، لیکن علمِ الٰہی انسانی اختیار کو ختم نہیں کرتا۔ اللہ جانتا ہے کہ انسان کیا چنے گا، نہ یہ کہ اسے مجبور کرتا ہے۔

**۲۔کتابت**

اللہ نے تمام مخلوقات کے احوال کو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے۔

**﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا﴾**[24]

"زمین میں اور تمہاری جانوں میں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ ہمارے اسے پیدا کرنے سے پہلے (ہی) ایک کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے"

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ تمام مصائب و نعم اللہ کے علم و کتابت میں پہلے سے موجود ہیں، تا کہ انسان کسی نعمت پر تکبر نہ کرے اور کسی مصیبت پر ناامید نہ ہو۔ یہ رکن صبر و توکل کی فکری بنیاد ہے۔

اس آیت سے میں بتایا گیا کہ تمام چیزیں پیدا ہونے سے قبل لوحِ محفوظ میں لکھی جاتی ہیں۔ اور اللہ عزجل نے اپنی قضاء و تقدیر کا بیان فرمایا ہے کہ دنیا میں انسان پر آنے والی مصیبت اللہ کے علم میں پہلے سے ہوتی ہے اور اس پر صبر کرنا مومن کی شان ہے۔ اور بعض مصیبتیں بعض وجوہات کی بناء پر بھی آتی ہیں اور ان وجوہات کو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے اور ان وجوہات کا لکھا جانا اس بات ہر دلالت کرتا ہے یہ مصیبتیں انسان پر جبر نہیں بلکہ اس کے اعمال کے سبب ہے۔ کیونکہ ان اسبابِ مصائب میں سے ایک سبب گناہ بھی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

**﴿وَ مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ﴾۔**[25]

"اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرما دیتا ہے"۔

---

[21] یونس:61

[22] الطلاق:12

[23] غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، ج5، ص415

[24] الحدید:22

[25] الشوریٰ:30

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

﴿وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ﴾[26]

"اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں۔"

اس آیت مبارکہ میں بندوں سے صادر ہونے والے اعمال کو لکھنے کا ذکر ہے جبکہ اللہ عزوجل نے اس سے پہلے بھی ان کے اعمال کو لکھا ہوا تھا۔ اللہ عزوجل کو ازل میں علم تھا کہ وہ بندوں کو اختیار دے گا تو وہ اس اختیار سے کیا کیا عمل کریں گے اور پھر اس نے ان کے اعمال کو لوحِ محفوظ میں لکھ کر محفوظ کر دیا۔[27] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوق کی تقدیر لکھی، اور اس کا عرش پانی پر تھا"۔[28]

ازل میں ہر چیز لکھی جا چکی ہے بندے جب عمل کرتے ہیں تو کراما کاتبین ان کے اعمال کو دوبارہ لکھتے ہیں اور یہی نامۂ اعمال محشر میں ان کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ علامہ آلوسی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے: "لوحِ محفوظ میں قیامت تک کے احوال لکھے ہیں اور متناہی ہیں اور لوحِ محفوظ بہر حال متناہی ہے"۔[29]

## ۳۔ مشیتِ الٰہی

کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اللہ کی مشیت وارادے سے خارج نہیں۔

﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾[30]

"اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے اللہ سارے جہان کا رب"۔

یعنی (تمہارا چاہنا ممکن نہیں) مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وہ 'مشیت' (چاہنے کی قوت) عطا فرمادے۔ کیونکہ مشیت ایک نئی پیدا شدہ صفت ہے، لہٰذا اس کے وقوع پذیر ہونے کے لیے ایک اور مشیت کا ہونا ضروری ہے، پس اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ 'استقامت' کا فعل 'ارادۂ استقامت' پر موقوف ہے، اور اس ارادے کا حاصل ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اللہ اسے وہ ارادہ عطا فرمانا چاہے۔ اور جو چیز کسی دوسری چیز پر موقوف ہو، وہ اسی چیز کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔

چنانچہ بندوں کے افعال اپنے ثبوت (ہونے) اور نفی (نہ ہونے) دونوں صورتوں میں اللہ کی مشیت پر موقوف ہیں۔ بعض معتزلہ کا یہ قول کہ یہ آیت 'مشیتِ قہر والجبر' (زبردستی مسلط کردہ ارادے) کے ساتھ مخصوص ہے، ضعیف ہے؛ کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ 'مشیتِ اختیاریہ' ایک حادث (نئی پیدا ہونے والی) چیز ہے، پس اس کے لیے کسی پیدا کرنے والے کا ہونا ضروری ہے، چنانچہ اس کا پیدا ہونا اللہ کے اسے پیدا کرنے کے ارادے پر موقوف ہے۔[31]

---

[26] یس:12

[27] غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، ج9، ص729

[28] مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح المسلم، رقم الحدیث:2653

[29] غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، ج9، ص730

[30] التکویر:29

[31] محمد الرازی فخر الدین ابن العلامہ ضیاء الدین عمر، تفسیر مفاتیح الغیب، دار الفکر، لبنان، 1981ء، ج31، ص82

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

یعنی انسان نے کسی کام کا ارادہ کیا تو پہلے اس ارادہ کو اختیار کیا نہ کہ اس پر وہ ارادہ مسلط کر دیا گیا لہٰذا یہ جبر نہیں بلکہ اختیار ہے اور اس اختیار کا حصول اللہ عزوجل کی طرف سے ہے۔ لہٰذا مشیتِ الٰہی اور انسانی ارادے میں تعارض نہیں، کیونکہ اللہ نے خود انسان کو ارادے کی قوت عطا کی ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾[32]

"بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے"۔

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "ہمارے اصحاب (اشعریہ و ماتریدیہ) نے افعال کی تخلیق کے معاملہ میں اس آیتِ مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ عزجل بندے کے لیے ایمان کا ارادہ فرماتا ہے کیونکہ آیت مبارکہ میں لفظ 'ما' عموم کے لیے ہے۔ پس یہ لازم ہوا کہ اللہ عزوجل ہی ایمان کو پیدا کرنے والا ہو"۔[33]

اللہ عزوجل بندوں کے افعال کو پیدا کرنے والا ہے۔ اور اللہ عزوجل کی قدرت و ارادہ خاص دائرہ میں محدود نہیں بلکہ ہر شئے کو شامل ہے۔ اس آیت میں بیان کیا گیا کہ انسان کے ایمان لانے اور نیکی کرنے کی توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

### ۴۔ خلق

تمام افعال چاہے انسانی ہوں یا کائناتی اللہ ہی کی تخلیق ہیں۔

﴿اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾[34]

"اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے"۔

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾[35]

"اور اللہ نے تمھیں اور تمھارے اعمال کو پیدا کیا"۔

آیتِ صفّت علمِ کلام کی سب سے زیادہ زیرِ بحث آیات میں سے ہے۔ جبریہ نے اس سے استدلال کیا کہ انسانی افعال کا خالق اللہ ہے، لہٰذا انسان مجبور ہے۔ معتزلہ نے کہا کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے ورنہ ثواب و عذاب بے معنی ہوگا۔

اہلِ سنت نے مذکورہ آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ: خلق اللہ کی طرف سے ہے، لیکن کسب انسان کی طرف سے اور جزا و سزا اسی کسب پر ہے۔ معتزلہ اس استدلال پر اعتراض کرتے ہیں کہ: اللہ نے اپنی تعریف اس طرح فرمائی ہے کہ وہ ہر شئے کا خالق ہے۔ اور کفر و قبیح کو پیدا کرنا تعریف نہیں لہٰذا اس آیت سے بندوں کے افعال کا خالق ہونے کی دلیل لینا درست نہیں۔

امام رازی اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"خالق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی قدرت اور ارادے کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتا، اگر بندہ اپنے فعل کا خود خالق ہے تو اللہ کی صفتِ خالقیت میں شرکت لازم آئے گی جو توحید کے خلاف ہے"۔[36]

---

[32] الحج:14

[33] محمد الرازی فخر الدین ابن العلامہ ضیاء الدین عمر، تفسیر مفاتیح الغیب، ج23، ص16

[34] الزمر:62

[35] الصفت:96

[36] محمد الرازی فخر الدین ابن العلامہ ضیاء الدین عمر، تفسیر مفاتیح الغیب، ج13، ص126

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **03 Issue** No: **01 (2026)**

اللہ افعال کا خالق ہے اور انسان ان کا کاسب اور یہی عدلِ الٰہی کی بنیاد ہے۔اگر بندہ خود خالق ہوتا تو اللہ عزوجل کے ذمہ اس کے عمل کی وکالت و تدبیر نہ ہوتی، چونکہ اللہ عزوجل ہر چیز کا وکیل ہے لہٰذا ہر چیز کا اصل خالق بھی وہی ہے۔

## بدیع الزماں سعید نورسی کا منہج

بدیع الزماں سعید نورسی نے قضاء وقدر کی بحث کو قرآنی آیات کی تفسیر کے تناظر میں اس انداز میں بیان کیا ہے کہ جس کے ذریعے معتزلہ اور جبریہ وقدریہ کے عقائد کارد ہو جاتا ہے۔ آپ نے تقدیر کے مراتب کے بیان میں قرآنی آیات کی تفسیر کو امثلہ کی صورت میں واضح کیا ہے۔ آپ نے تقدیر کے مسئلہ کو فقط کلامی بحث کے طور پر ذکر نہیں فرمایا بلکہ اسے ایمان کی تقویت اور اطمینانِ قلب کا ذریعہ فرمایا ہے۔بدیع الزماں سعید نورسی کے نزدیک تقدیر پر ایمان انسان کو غرور و تکبر سے بچاتا، مصیبت میں صبر عطا کرتا اور دنیا کی ناکامیوں پر پریشانی سے بچاتا ہے۔بدیع الزماں سعید نورسی نے اس موضوع کو فقط علمی مناظرہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ انسان کی عملی زندگی میں اس کی اہمیت کو بیان کیا اور اس کی عملی زندگی سے مربوط کیا۔بدیع الزماں سعید نورسی نے تقدیر کی بحث کے تناظر میں اللہ عزوجل کی صفتِ علم، ارادہ کی پختگی اور حکمت، اللہ عزوجل کے مخلوق کو تخلیق کرنے کی کیفیت، اور لوحِ محفوظ کی حقیقت کو قرآنی آیات کی روشنی میں بیان کیا ہے۔اور بالخصوص اللہ عزوجل کی حکمت وتدبیر اور ارادہ کو نیچر کا نام دینے والوں کو دلائلِ عقلیہ سے جواب دیا ہے۔بدیع الزماں سعید نورسی نے قضاء وقدر کو چار ابحاث میں تقسیم کیا ہے:

### ا۔تقدیر اور جزوِ اختیاری کا تعلق

بدیع الزماں سعید نورسی نے تقدیر اور جزوِ اختیاری میں نسبت کو بیان فرمایا ہے کہ تقدیر اور اختیار آپس میں متصادم نہیں ہے بلکہ تقدیر انسان کو غرور سے بچاتی ہے اور اختیار اسے ذمہ داری کا احساس دلاتا ہے۔تقدیر اور اختیار ایمان کے ایسے دو جزء ہیں جو ایمان واسلام کی حدود کو بیان کرتے ہیں۔کہ مومن آدمی اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کرنے کے بعد مکلف اور ذمہ دار ہونے سے بچ نہ جائے اسلیے جزوِ اختیاری اسے "مسؤول اور مکلف" ہونے کا احساس دلاتا ہے۔اور اپنی ذات سے صادر ہونے والی حسنات کو اپنا کمال سمجھ کر مغرور نہ ہو جائے اسلیے اسے "تقدیر" کے ذریعے حقیقی فاعل ہونے کے گمان سے بچایا جاتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے تقدیر اور اختیار کے مابین نسبت کو بیان فرمایا ہے:

**«إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ، فَقَالَ: اكْتُبْ، فَقَالَ: مَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اكْتُبِ الْقَدَرَ مَا كَانَ، وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الأَبَدِ [37]»**

"اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور فرمایا: لکھو، قلم نے عرض کیا: کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تقدیر لکھو جو کچھ ہو چکا ہے اور جو ہمیشہ تک ہونے والا ہے"۔

اس حدیثِ مبارکہ کے ذریعے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اللہ عزوجل نے لوحِ محفوظ میں وہ لکھا جو ہونے والا تھا۔ایسا نہیں ہے کہ جو لکھ دیا وہ ہو گا۔امام اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا:

[37] محمد بن عیسی، سنن ترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث:2155

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

«لا يكون فی الدنیا ولا فی الآخرۃ شیئ الا بمشیئتہ و علمہ و قدرتہ ،وکتبہ فی اللوح المحفوظ ولکن کتبہ بالوصف لا بالحکم»[38]

"دنیاو آخرت مین ہونے والا ہر کام اللہ کی مشیت (ارادہ)، علم اور قدرت سے ہی ہوتا ہے اور اللہ عزوجل نے تمام امور کو لوحِ محفوظ میں ان کے وصف کے ساتھ لکھ دیا ہے نہ کہ حکم کے ساتھ"۔

اللہ عزوجل نے ہر شیئے کے بارے میں لکھ دیا کہ وہ اس اس طرح ہو گی یہ نہیں لکھا کہ اس اس طرح ہو جائے۔یعنی کتابت کے وقت اشیاء موجود د نہیں تھیں تو اللہ عزوجل نے لوحِ محفوظ میں وصف کے ساتھ لکھا کہ اشیاء لوحِ محفوظ میں لکھے گئے فیصلہ کے مطابق واقع ہوں گی نہ کہ حکم کی بنیاد پر اس طرح کہ ہو جائیں۔

بدیع الزماں سعید نورسی نے تقدیر اور جزوِ اختیار کے درمیان موافقت کو سات پہلوؤں سے بیان کیا ہے، جن میں سے تین کا ذکر ذیل میں کیا جارہا ہے:

1) دنیا میں موجودات کی ماہیت اور وجود دو الگ علم ہیں۔انسان کو بعض اشیاء کے وجود کا علم ہے لیکن وہ ان کی ماہیت سے بے خبر ہے۔اسی طرح انسان کو اختیار کے حصول کا علم ہے لیکن کیفیت کا علم نہیں ہے اور ہر شیئے کا ہمارے علم کے دائرے میں آجانا محال ہے لہٰذا ہمارا عدمِ علم اس شیئے کے عدم پر دلالت نہیں کرتا۔[39]

یہ استدلال مسئلہ تقدیر کے سب سے اہم اور نازک پہلو یعنی "علمِ الٰہی اور انسانی عقل کی محدودیت" کو نہایت مدلّل انداز میں واضح کرتا ہے۔تقدیر کا اصل مفہوم یہ ہے کہ کائنات کا ہر واقعہ اللہ کے ازلی علم اور فیصلے کے مطابق ہے، لیکن انسان کی عقل چونکہ محدود ہے، اس لیے وہ تقدیر کے تمام اسرار اور اس کی "ماہیت" (حقیقت) کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ جس طرح انسان بہت سی مادی اشیاء کے وجود کو تسلیم کرتا ہے مگر ان کی اصل حقیقت سے ناواقف ہے، بالکل اسی طرح تقدیر کا "وجود" تو برحق ہے، مگر اس کی مکمل "کیفیت" کو سمجھنا انسانی بس سے باہر ہے۔یہ اقتباس یہ سبق دیتا ہے کہ اگر ہم تقدیر کی گہرائیوں کو نہیں سمجھ پارہے، تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تقدیر کا وجود نہیں ہے، بلکہ یہ ہماری علمی نارسائی کی دلیل ہے۔لہٰذا، تقدیر پر ایمان لانا دراصل خدا کے "علیم و حکیم" ہونے پر یقین رکھنا ہے، چاہے ہماری عقل اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہ کر سکے۔

2) انسان کا جزوی ارادہ اور جزوی اختیار اگرچہ ضعیف ہے لیکن اللہ عزوجل نے اس کے ارادے کو اپنے کامل ارادے کے ساتھ جوڑنے کے لیے کام کے واقع ہونے کی شرط بنا دیا یعنی اللہ عزوجل معنوی طور پر فرماتا ہے:"اے میرے بندے!تو اپنی مرضی سے جس راستے پر چلنا چاہے مین چلا دوں گا لیکن ذمہ داری تجھ پر ہو گی۔اسے ایک مثال کے ذریعے بیان کیا کہ:کوئی شخص بچے کو کندھے پر بٹھا کر کہے کہ جہاں چاہو میں تمہیں وہیں لے جاؤں گا، اب اگر وہ بچہ اونچے پہاڑ پر جانے کا کہے اور وہ شخص اسے لے جائے جس کے سبب بچہ بیمار ہو جائے تو ازراہِ تادیب بچے کو سمجھایا جائے گا کہ اسی نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا۔[40]

[38] ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، الفقہ الاکبر، ص 71،70

[39] بدیع الزماں سعید نورسی، مقالات، ص606

[40] بدیع الزماں سعید نورسی، مقالات، ص609

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **03 Issue** No: **01 (2026)**

بدیع الزماں سعید نورسی نے "کسبِ انسانی" اور "ارادہِ الٰہی" کے باہمی ربط کو نہایت سادہ اور عام فہم انداز میں بیان کیا ہے۔ اس کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ انسان اگرچہ قدرتِ مطلقہ کا مالک نہیں، مگر وہ "ارادہ" اور "انتخاب" میں آزاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت یہ رکھی ہے کہ وہ انسان کے جزوی ارادے کو اپنے تخلیقی ارادے کے لیے ایک "شرط" بنا دیتا ہے۔ یعنی حرکت بندہ کرتا ہے اور اس حرکت میں جان اور اثر اللہ ڈالتا ہے۔ قوت تو بڑے (خالق) کی ہے، مگر سمت کا تعین بندہ کرتا ہے، اسی لیے ذمہ داری اور جوابدہی بھی اسی پر عائد ہوتی ہے۔ اس میں معتزلہ کا رد ہے جو بندے کو افعال کا خالق مانتے ہیں۔ اشاعریہ اور ماتریدیہ کا موقف ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے افعال کا خالق ہے یعنی کفر و ایمان اور اطاعت و عصیاں۔ لیکن ایسا نہیں ہے جیسا معتزلہ کا عقیدہ ہے۔"[41]

بندے کے دو طرح کے افعال ہیں: اول وہ جن کا صدور بندے سے مجبوراً ہوتا ہے۔ دوسرے وہ جن کا قصداً صدور ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان افعالِ اخاریہ پر جواب دہ ہے۔ کے بندے فعل کی حقیقت اللہ کی طرف سے ہے اور اس کا وصف (یعنی نیکی یا بدی ہونا) بندے کے ارادے اور کسب کی وجہ سے ہے۔ اللہ شر کا خالق تو ہے مگر وہ "شریر" (برا) نہیں ہے، کیونکہ شر پیدا کرنا حکمت ہے، جبکہ شر کا ارتکاب کرنا گناہ ہے۔

3) تقدیر کا بیک وقت سبب اور مسبب دونوں کے ساتھ تعلق ہوتا ہے یعنی تقدیر فقط نتیجے کا نام نہیں بلکہ نتیجے اور اس کے سبب کے مجموعے کا نام ہے۔ اس لیے یہ نہیں کہا جائے گا کہ فلاں آدمی کی موت فلاں وقت میں مقدر ہے تو پھر اس دمی کا کیا قصور ہے جس نے اپنے جزوی اختیار کے ساتھ اپنی بندوق سے اس پر گولی چلا دی کیونکہ وہ اگر گولی نہ بھی چلاتا تو مر تو وہ پھر جاتا۔ سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں نہیں کہا جا سکتا؟ بدیع الزماں سعید نورسی نے جواب کو تین نکات میں بیان کیا ہے:

### اشعریہ وماتریدیہ کا موقف

تقدیر یہ کہ اللہ عزوجل کو پہلے سے معلوم ہے کہ ایک شخص گولی چلائے گا جس کے سبب نتیجۃً دوسرا شخص مر جائے گا۔ یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ گولی چلانے والے کو یہ کہہ کر بے گناہ قرار نہیں دے سکتے کہ تقدیر میں موت لکھی تھی۔ کیونکہ تقدیر میں موت اس کی گولی کے ساتھ ہی لکھی تھی۔

### جبریہ کا موقف

اگر گولی نہ بھی چلتی تو وہ شخص مر جاتا کیونکہ تقدیر میں موت لکھی جا چکی تھی لہٰذا وہ موت سے نہیں بچ سکتا تھا۔ یہ سبب کو نظر انداز کرتے ہیں۔

### معتزلہ کا موقف

اگر گولی نہ چلتی تو وہ نہ مرتا۔ یہ اللہ کے علم (تقدیر) کا ہی انکار کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ گولی نہ چلتی تو کیا ہوتا؟ کیونکہ اللہ کے علم میں گولی کا چلنا اور موت کا آنا دونوں ایک ہی فیصلے کے دو جزء ہیں۔ اگر گولی (سبب) کو ہٹا دیں تو گویا تقدیر کو ہٹا دیا۔ پھر موت کا فیصلہ کس بنیاد پر کریں گے؟ وہ ہمارے لیے مجہول ہو جائے گا۔ اللہ عزوجل نے گولی کے ساتھ ہی موت کا وقت طے کر دیا تھا لہٰذا قاتل اپنے ارادہ و فعل کا ذمہ دار ہوگا۔[42]

---

[41] مفتی محمد یوسف، اغراضِ شرح عقائد، ص296

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

بدیع الزماں سعید نورسی کا یہ استدلال "وحدتِ سبب ومسبب" کے عقلی اصول پر مبنی ہے، جو جبریہ اور معتزلہ دونوں کی افراط و تفریط کا بہترین رد کرتا ہے۔ تقدیر کوئی ایسا جامد فیصلہ نہیں جو اسباب سے کٹ کر نافذ ہو، بلکہ اللہ کا ازلی علم سبب اور مسبب دونوں کا بیک وقت احاطہ کیے ہوئے ہے۔ جبریہ کا یہ کہنا کہ "سبب کے بغیر بھی نتیجہ وہی نکلتا" دراصل اللہ کی حکمت اور نظامِ عالم کا انکار ہے، جبکہ معتزلہ کا سبب کو خود مختار مان لینا اللہ کے احاطہٴ علمی کی نفی ہے۔

## ۲۔ علمِ الٰہی اور معلوم کا تعلق

علمِ الٰہی صفت اور معلوم اس کا اثر ہے۔ معلوم وہ واقعہ یا چیز ہے جس کو اللہ عزوجل نے ازل میں جان لیا۔ اللہ عزوجل کا علم بدل نہیں سکتا اور اشیاء کے حالات بدل جاتے ہیں لیکن اللہ عزوجل کو اس معلوم کی تبدیلی کا بھی علم پہلے سے ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ﴾[43]

"کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا"۔

کیا اشیاء کو پیدا کرنے والا ہی ان کو تخلیق سے پہلے نہیں جانے گا؟ یعنی اللہ عزوجل نے پیدا کیا ہے تو وہ اشیاء کو ایجاد سے پہلے جاننے والا ہے۔ امام فخر الدین رزای علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: خالق سے مراد وہ ذات ہے جو ارادے اور ارادے کے ساتھ (عدم سے وجود میں) لانے والی ہو، اور کسی چیز کا ارادہ کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس چیز کی حقیقت کا علم رکھتا ہو۔ کیونکہ جو شخص کسی چیز سے غافل ہو، اس کے لیے اس کی طرف قصد (ارادہ) کرنا ناممکن ہے۔ گویا یہ ثابت ہوا کہ خالق کے لیے مخلوق کی ماہیت (حقیقت) کا عالم ہونا ضروری ہے، اور اسے اس کی مقدار کا بھی علم ہونا چاہیے، کیونکہ اس چیز کا (وجود میں) آنا اس مقدار پر ہونا، نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ، فاعل (پیدا کرنے والے) کے ارادے اور اختیار کے مطابق ہونا ضروری ہے۔[44] تقدیر علم کی ایک قسم ہے اور علم معلومات کے تابع ہے یعنی معلومات جیسی بھی ہو گی علم اس کے متعلق رہے گا۔ بدیع الزماں سعید نورسی نے تقدیر اور اللہ کے علمِ ازلی کی حقیقت کو خوبصورت مثال کے ذریعے بیان کیا ہے:

"ازل سلسلہ ماضی کا سرا نہیں ہے بلکہ ازل ایک بلند مقام ہے جہاں سے ماضی، حال اور مستقبل سب ایک ساتھ نظر آتے ہیں"۔[45] بدیع الزماں سعید نورسی اس راز کے انکشاف کے لیے مثال ذکر کرتے ہیں کہ:

"فرض کرو کہ تمہارے ہاتھ میں آئینہ ہے، تمہاری دائیں جانب کی مسافت ماضی اور بائیں جانب کی مسافت مستقبل ہے۔ اب آئینہ صرف اپنے مقابل کی صورت دکھائے گا۔ اور دونوں جانبوں کو مکمل نہیں دکھائے گا۔ کیونکہ جب آئینہ نیچے ہو گا تو کم مسافت کی عکاسی کرے گا لیکن جس قدر اوپر اٹھایا جائے گا اس کے سامنے والا دائرہ وسیع ہوتا چلا جائے گا اور اس طرح دونوں جانبوں کی مسافت مکمل طور پر منعکس کرے گا۔"[46]

---

[42] بدیع الزماں سعید نورسی، مقالات، ص607

[43] الملک:14

[44] محمد الرازی فخر الدین ابن العلامہ ضیاء الدین عمر، تفسیر مفاتیح الغیب، ج30، ص66

[45] بدیع الزماں سعید نورسی، مقالات، ص607

[46] بدیع الزماں سعید نورسی، مقالات، ص607

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **03 Issue** No: **01 (2026)**

اللہ تعالیٰ کا علم اس "بلند ترین مقام" پر موجود آئینے کی طرح ہے جو پوری کائنات کے آغاز سے انجام تک کو ایک ہی لمحے میں دیکھ رہا ہے۔ جبکہ ہم زمانے کو ایک قطار کی طرح دیکھتے ہیں جس میں ایک چیز کے بعد دوسری آتی ہے۔ لیکن اللہ کے ہاں "پہلے" اور "بعد" ویسا نہیں ہے جیسا ہم سمجھتے ہیں۔ اس کے علم میں ماضی اور مستقبل دونوں حال کی طرح موجود ہیں۔ لہٰذا تقدیر کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ نے ماضی میں کوئی فیصلہ کیا، بلکہ اس کا علم اتنا بلند اور وسیع ہے کہ وہ تمام زمانوں کو بیک وقت دیکھ رہا ہے اور ہماری عقل اس لامحدود علم کا احاطہ نہیں کر سکتی۔

## ۳۔ خیر اور شر کی تخلیق

تقدیر کا مرکزی سوال یہ ہے کہ اگر اللہ عزوجل قادرِ مطلق، علیمِ مطلق اور خیرِ مطلق ہے تو دنیا میں شر کیوں ہے؟ قرآن نے اس مسئلہ کو بیان فرمایا ہے کہ:

**﴿وَ عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْۚ-وَ عَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْؕ-وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾**[47]

"اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں ناپسند ہو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"۔

انسان کا ادراک کرنا محدود ہے جبکہ اللہ عزوجل بظاہر شر نظر آنے والے کام میں پوشیدہ خیر کو جاننے والا ہے۔ ظاہری شر حقیقی شر نہیں ہوتا اور انسانی شر انسان کے اپنے اختیار سے ہے وہ مجبورِ محض نہیں ہے۔ شر کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف خلق کے اعتبار سے کی جاتی ہے لیکن ارادے اور رضا کے اعتبار سے اللہ شر کو پسند نہیں کرتا۔ ابن القیم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

**«فالشر فی بعض مخلوقاتہ لا فی خلقہ و فعلہ،وخلقہ و فعلہ و قضاءہ، وقدرہ خیر کلہ۔ولھذا نزہ سبحانہ عن الظلم الذی حقیقتہ وضع الشیئ فی غیر موضعہ ۔فلا یضع الاشیاء الا فی مواضعھا اللائقۃ بھا۔وذلک خیر کلہ،والشر وضع الشیئ فی غیر محلہ،فاذا وضع فی محلہ لم یکن شرا،فعلم ان الشر لیس الیہ»**[48]

"پس شر (برائی) اس کی بعض مخلوقات میں ہے، نہ کہ اس کے پیدا کرنے (تخلیق) اور اس کے فعل میں۔ اس کی تخلیق، اس کا فعل، اس کا فیصلہ اور اس کی تقدیر تو سراسر خیر (بھلائی) ہے۔ اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود کو اس 'ظلم' سے پاک قرار دیا ہے جس کی حقیقت کسی چیز کو اس کے اصل مقام کے علاوہ (غلط جگہ) پر رکھنا ہے۔ پس وہ (اللہ) اشیاء کو صرف ان کے مناسب اور لائق مقامات پر ہی رکھتا ہے، اور یہ سب خیر ہی خیر ہے۔ جبکہ شر (برائی) تو کسی چیز کو اس کے (اصل) محل کے علاوہ کہیں اور رکھنے کا نام ہے، پس جب اسے اس کے صحیح محل (جگہ) پر رکھا گیا تو وہ شر نہ رہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں ہے۔"

---

[47] البقرۃ:216

[48] شمس الدین محمد بن ابی بکر بن قیم الجوزی، شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ التعلیل، ص352

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **03 Issue** No: **01 (2026)**

اللہ عزوجل کا کسی چیز کو پیدا کرنا یا فیصلہ کرنا بذاتِ خود برا نہیں ہے اس کا ہر عمل کسی نہ کسی بڑی مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔ شر اللہ عزوجل کی تخلیق میں نہیں بلکہ اس سے حاصل کیے جانے والے نتائج اور اثرات میں ہوتا ہے جس کا کسب بندہ کرتا ہے۔ جیسے آگ کا پیدا کرنا خیر پر مبنی ہے لیکن کسی کا اس میں ہاتھ ڈال کر نقصان اٹھانا اس کے کسب کا نتیجہ ہے۔ بدیع الزماں سعید نورسی نے اس مسئلہ کی حقیقت یوں بیان کی ہے کہ:

"تقدیر اور ایجاد الہی آغاز و انتہا، اصل اور فرع اور علت و نتیجہ کے اعتبار سے شر و قبح و ظلم سے منزہ ہیں۔"[49]

انسان خود ہی سیئات کا ارادہ کرتا ہے اور سیئات کا تعلق تخریبات کے ساتھ ہے اس لیے انسان صرف ایک برائی کے ساتھ کئی برائیوں کا ارتکاب کر سکتا ہے لیکن جہاں تک حسنات کا تعلق ہے تو یہ رحمت الٰہیہ کے نتیجے میں وجود میں آتی ہیں کیونکہ رحمت الٰہیہ سیئات کی طالب و مقتضی ہے اور قدرت ربانی ان کی خالق ہے لہذا انسان اگر حسنات کا مالک ہے تو صرف دعا اور ایمان اور شعور اور رضا کے ساتھ ہے لیکن سیئات کی طلب خود نفس انسانی سے ابھرتی ہے جیسا کہ کچھ مادے سورج کی خوبصورت سفید روشنی سے سیاہ اور متعفن ہو جاتے ہیں اب اس سیاہی کا تعلق مادے کی اپنی صلاحیت کے ساتھ ہے کہ وہ سورج کی روشنی کے اثر کو خیر کے طور پر قبول کرتا ہے یا شر کے طور پر۔ جبکہ سیئات کی تخلیق جو کہ بہت سی مصلحتوں پر مشتمل قانون الہی کے ذریعے کی گئی ہے وہ اللہ عزوجل نے کی ہے یعنی کسی چیز کے سبب بننے اور کسی چیز کا سوال کرنے کا تعلق نفسِ انسانی کے ساتھ ہے۔ اس لئے اس کی مسؤولیت یا ذمہ داری اسی پر ہے لیکن خلق و ایجاد اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے اور وہ ہر صورت میں خوبصورت ہے کیونکہ سیئات کے بہت سے دیگر خوبصورت ثمرات نتائج ہیں پس وہ سراپہ حسن اور سراپہ خیر ہی ہے۔ اس لئے کسب شر تو شر ہے لیکن خلق شر شر نہیں ہے جیسے کہ ایک مسلمان آدمی جو بارش سے تکلیف پاتا ہے اسے یہ کہنے کا حق نہیں پہنچتا کہ بارش رحمت نہیں ہے۔ کیونکہ بارش میں بہت سی مصلحتیں پائی جاتی ہیں لہذا خلق و ایجاد میں جزوی سے شر کے ساتھ خیر کثیر پائی جاتی ہے اور کسی جزوی سے شر کی وجہ سے خیر کثیر کو ترک کر دینا شر کثیر کا سبب ہے اس لیے اس جزوی شر کو بھی خیر کثیر کا حکم دیا جائے گا اور وہ خیر ہی شمار ہو گی۔ اس لیے ارادہ الہی میں کسی شر و قباحت کا وجود نہیں ہے بلکہ شر کا مرجع انسان کا کسب و استعداد ہے۔[50]

جیسے تقدیر الہی نتائج و ثمرات کے لحاظ سے شر و قباحت سے منزہ ہے اسی طرح وہ علت اور سبب کے لحاظ سے بھی ظلم اور قباحت سے مقدس ہے کیونکہ تقدیر الہی حقیقی علتوں کی طرف دیکھتی ہیں۔ اس لئے عدل کرتی ہے جبکہ لوگ جب اپنے احکامات کی بنیاد ظاہری علتوں کی مشاہدے پر رکھتے ہیں اس لیے خود تقدیر ہی کے عدل کے ضمن میں ظلم کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں مثال کے طور پر حاکم نے چوری کا الزام میں جیل میں کسی شخص کو بھیج دیا جبکہ اس نے چوری نہیں کی تھی لیکن اس نے کبھی کسی کو قتل کیا تھا جس کا اس کے علاوہ کسی کو علم ہی نہیں تھا اس لیے تقدیرِ الٰہی نے اس کے خلاف جیل کا فیصلہ ہی دیا اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل اس پوشیدہ قتل کی وجہ سے عدل سے کام لیا لیکن حاکم نے چوری کی تہمت کی وجہ سے تمہیں جیل بھیج کر ظلم کیا ہے بس یوں سمجھ لو کہ ایک ہی چیز میں دو پہلو موجود ہیں تقدیر و ایجاد الہی کی عدل کا پہلو اور انسان کے ظلم و کسب کا پہلو۔[51]

---

[49] بدیع الزماں سعید نورسی، مقالات، ص604

[50] بدیع الزماں سعید نورسی، مقالات، ص604

[51] بدیع الزماں سعید نورسی، مقالات، ص604

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **03 Issue** No: **01 (2026)**

بدیع الزماں سعید نورسی اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ کائنات میں اللہ کی طرف سے کسی بھی چیز کی تخلیق (خلق) بذاتِ خود شر نہیں ہے، کیونکہ ہر تخلیق کے پیچھے بے شمار مصلحتیں اور "خیرِ کثیر" چھپی ہوتی ہے۔ اصل شر "کسب" (انسان کا ارادہ اور انتخاب) ہے، جہاں انسان اپنی غلط استعداد اور نفسانی خواہش کی وجہ سے خیر کو شر میں بدل دیتا ہے۔ اللہ کی قدرت خیر پیدا کرتی ہے لیکن انسان کا نفس اس سے برائی کشید کرتا ہے۔ مزید برآں، آپ کی پیش کردہ تقدیر کے عدل کی مثال (بے گناہ قیدی اور چھپا ہوا قتل) یہ ثابت کرتی ہے کہ اللہ کا فیصلہ "حقیقی علت" پر مبنی ہوتا ہے، جبکہ انسان "ظاہری علت" کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ لہٰذا، ایک ہی واقعے میں انسانی پہلو "ظلم" ہو سکتا ہے، لیکن الٰہی پہلو ہمیشہ "عدل" اور "حکمت" پر مبنی ہوتا ہے، جو کائنات کے مجموعی حسن کو برقرار رکھتا ہے۔

## ۴۔ مصائب و آلام میں تقدیر کا اطمینان

بدیع الزماں سعید نورسی نے مصائب و آلام کے حل میں تقدیر کو ایک عظیم روحانی سہارا کے طور پر پیش کیا ہے۔ بدیع الزماں سعید نورسی کے مطابق مصیبتیں تقدیرِ الٰہی کا حصہ ہیں اور ان پر صبر کرنے سے وہ رحمت میں بدل جاتی ہیں اور تقدیر پر ایمان لانا مایوسی سے بچاتا ہے اور مصیبت کی حکمت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ بدیع الزماں سعید نورسی نے انسان پر آنے والے مصائب کی حقیقت کو بیان کر کے اسے عمل کی طرف بھی راغب کیا ہے۔ اور انسان پر آنے والی آزمائشوں کو جبر تصور کرنے والوں کو جواب دیا ہے کہ:

انسان اس کائنات میں اس ضعیف اور محبوب بچے کی طرح ہے جو اپنے ضعف میں بہت سے قوت اور اپنے عجز میں عظیم قدرت کا مالک ہے۔ کیونکہ انسان کے ضعف و عجز کی قوت کے سبب ہی اس کے سامنے تمام مخلوقات مسخر کر دی گئیں ہیں۔ اگر وہ اپنی عاجزی کا ادراک کر کے اپنے قول و فعل واحوال اور ہر صورت میں اللہ سے دعا مانگتا اور کائنات کے مسخر ہونے پر شکر گزار رہے تو وہ بہت سے ایسی نعمتیں حاصل کر لے گا کہ اگر وہ اپنی ادنیٰ سی قوت استعمال کرے تو ان کا ہزارواں حصہ بھی حاصل نہ کر پائے گا۔ لہذا انسان کو اللہ نے عاجز بنایا اور اسی عجز میں قوت رکھ دی تاکہ وہ خدا کے قانون کا پابند رہے۔[52]

قرآن میں گناہ کو مصائب کے اسباب میں سے ایک سبب فرمایا گیا ہے۔ انسان کو دنیا میں عملِ صالح کے ذریعے بقاء (آخرت) کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے بھیجا گیا ہے لیکن جب انسان دنیا کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور دنیاوی زندگی کو مقصد سمجھ لیتا ہے تو نقصان میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ نعمتوں کے حصول کو اپنی طاقت پر منحصر سمجھتا ہے جبکہ دنیاوی واخروی نعمتوں کا حصول عاجزی میں رکھ دیا گیا ہے۔ انسان کی اس کیفیت کو بدیع الزماں سعید نورسی نے دو جہات سے واضح کیا ہے:

انسان کے اندر دو جہتیں ہیں:

1. انانیت کی جہت، جس کی نظرِ حیات دنیا تک محدود ہے۔
2. عبودیت کی جہت، جس کہ حیاتِ ابدی کو نظر میں رکھتی ہے۔

پہلی جہت کے لحاظ سے وہ ایک مسکین مخلوق ہے کیونکہ اس کے پاس جزوی ارادے کی صورت میں جو سرمایہ ہے اس کی حیثیت بال کی طرح چھوٹے جزء کی ہے۔ جبکہ دوسری جہت جس میں اللہ کے لیے عجز و فقر کا اظہار کرتا ہے تو اس کی حیثیت سے انسان بڑی وسعتوں اور عظمتوں کا مالک ہے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ اللہ کی منشاء پر عامل ہے جس نے اسے اعضاء و جوارح اسی خسیس زندگی کے لیے نہیں بلکہ اخروی و دائمی

---

[52] بدیع الزماں سعید نورسی، مقالات، ص420

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **03 Issue** No: **01 (2026)**

زندگی کے لیے دیے ہیں۔ انسان خود کو مصائب میں کیسے ڈالتا ہے اور نجات کا ذریعہ کیا ہے بدیع الزماں سعید نورسی نے اسے مثال کے ذریعے یوں سمجھایا ہے کہ: ایک شخص نے اپنے ایک خادم کو ایک ہزار درہم بہترین کپڑے خریدنے کے لیے دیے جبکہ دوسرے خادم کو دس ہزار درہم دے کر مختلف چیزوں کی لسٹ تھما کر بزار روانہ کر دیا۔ پہلے خادم نے خود کے لیے بہترین سوٹ خرید لیا۔ جبکہ دوسرے خادم نے اپنی حماقت و کم عقلی سے اس کی تقلید میں جیب میں پڑی لسٹ دیکھنے کے بجائے ایک ہی دکاندار کو ہزاروں دینار تھما کر کپڑے طلب کیے اور دکاندار نے بے کار کپڑے اس کے حوالے کر دیے جب واپس آیا تو مالک نے اس کی سرزنش کی اور اسے سزا دی۔

اس مثال سے اللہ عزوجل کی بندے کے متعلق لکھی گئی تقدیر اور اس پر آنے والے مصائب کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ عزوجل نے تقدیر لکھ کر اختیار بندے کے ہاتھ میں تھما دیا اگر اللہ کی فرمانبرداری کرے گا تو نجات اور نافرمانی مصائب کا سبب بنے گی۔ لہٰذا اسے مصائب پر صبر و شکر کے ساتھ اپنے اعمال کی درستگی کرنی چاہیے۔

## کتابیات

**اولاً: تفسیر وعلوم قرآن**

اصفہانی، ابی القاسم الحسین بن محمد راغب۔ المفردات فی غریب القرآن۔ تحقیق: محمد سید کیلانی۔ بیروت: دار المعرفة، 1961ء۔

سعیدی، غلام رسول۔ تبیان القرآن۔ لاہور: فرید بک سٹال، 2008ء۔

محمد الرازی فخر الدین ابن العلامہ ضیاء الدین عمر۔ تفسیر مفاتیح الغیب۔ لبنان: دار الفکر، 1981ء۔

**ثانیاً: کتب حدیث**

مسلم بن حجاج۔ الجامع الصحیح المسلم۔ بیروت: دار احیاء التراث العربی۔

**ثالثاً: کتب لغت**

ابن منظور الافریقی، ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن علی۔ لسان العرب۔ بیروت: دار صادر۔

**چہارم: عقائد و کلام**

البسنوی، احمد بن حسن۔ اشارات المرام من عبارات الامام ابی حنیفۃ النعمان۔ بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 2007ء۔

البوطی، محمد سعید رمضان۔ الانسان مسیر ام مخیر؟۔ بیروت: دار الفکر، 1998ء۔

الجرجانی، علی بن محمد بن علی۔ کتاب التعریفات۔ مصر: المطبعۃ الخیریۃ، 1889ء۔

التھانوی، محمد علی۔ کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم۔

**پنجم: دیگر**

الخطیب، عبد الکریم۔ القضاء والقدر۔ القاہرہ: دار الفکر العربی، 1978ء۔

حیات الحسینی، محمد عمر۔ انسان اور مسئلہ تقدیر۔ آزاد کشمیر: خاور پرنٹر، 1994ء۔